رحمت مآب صفوۃ العلماء مولانا کلب عابد صاحب کا پیغام

فاضل نبیل چودھری سبط محمد نقوی مرحوم

مرحوم جگر مرادآبادی کا مشہور شعر ہے ؎

ان کا جو کام ہے ارباب سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے، جہاں تک پہنچے

اس شعر کی شہرت اپنی تخیل کی بلندی، فکر کی انسان دوستی اور اظہار کے حُسن و جمال کی مرہون منّت تو ہے ہی لیکن اس سے بھی زیادہ اپنے کثرت استعمال کی رہین احسان ہے۔ اس کثرت استعمال نے سدابہار فن پارے میں قدرے فرسودگی کا احساس پیدا کر دیا ہے۔ لیکن جن حضرات نے مولانا کلب عابد کے حادثۂ انتقال پر ملک و ملت کی سوگواری کا عمیق مطالعہ کیا ہے وہ شہادت دے سکتے ہیں کہ یہ مقبولیت اور محبوبیت اسی پیغام کی عطا کردہ ہے جو مرحوم نے زندگی بھر ملک وملت کو دیا۔ اسی محبت سے معمور آواز، اتحاد پرور افکار اور ایک بے داغ کردار سے محرومی کا احساس ہے جو اس بے محابہ اظہار غم کی شکل میں آج ملک وملت پر محیط ہے۔ اس لئے بلاتکلف اس شعر کو مرحوم کا ترجمان بنایا جا سکتا ہے۔

یہ کون نہیں جانتا کہ لکھنؤ میں مسلم سماج کے اندرونی روابط کی کیا کیفیت ہے اور ایک دوسرے کے خلاف کیا کیا کہا اور لکھا جا رہا ہے۔ لیکن مولانا کے حادثۂ وفات نے من وتو کے افتراق کا سد سکندری جس طرح مسمار کیا ہے۔ کیا یہ اتفاقِ محض ہے؟ آپ کا جواب کیا ہوگا، یہ میں نہیں عرض کر سکتا لیکن اتنا ضرور یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کم ہی حضرات ایسے ہوں گے جو اس سوال کا جواب اثبات میں دیں گے۔ کیونکہ یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ مرحوم نے اس صورت حال کے تدارک، اتفاق کی بازیابی اور اتحاد کے فروغ کی راہ میں کس مجاہدانہ ضبط وتحمل اور عالمانہ وزن ووقار سے کام لیا ہے اور اپنے جذبات کی کیسی قربانی پیش کی ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کو اپنی پہچان بنائے رکھنے کے لئے کن مشکلات ومسائل کا سامنا ہے، اس کی تفصیل ضروری نہیں۔ اور اگر ضروری ہو تو بھی اس کے بیان کا یہ محل نہیں۔ لیکن جب اس مسئلے سے عہدہ برآ ہونے کے لئے 'مسلم پرسنل لا بورڈ' کی تشکیل ہوئی تو مولانائے مرحوم نے اس سے اپنا برائے نام یار سمی ہی واسطہ نہیں رکھا بلکہ اپنی مخلصانہ سرگرمیوں، متوازن افکار اور ملائم گفتار سے ایسا وقار پیدا کیا کہ نائب صدارت کی ذمہ داریاں مرحوم کی سپرد کی گئیں۔ اور اس طبقے کو بھی آپ سے تعاون پر مجبور ہونا پڑا جو مولانا کے مسلک کو اسلام میں داخل ہی نہیں سمجھتا۔ مولانا نے بھی اتحاد کلمہ کے احترام میں اس طبقے کے ساتھ کام کرنے میں تامل نہیں کیا اور نہ کسی طرح اختلافی مسائل کی چھوٹ پڑنے دی۔

لیکن اس گزارش کا مطلب یہ ہرگز نہ لیا جائے کہ مولانا بس پرسنل لا بورڈ کے ہو کے رہ گئے تھے اور اسی کے معیارِ نظر سے ہر مسئلے کو پرکھنے کے پابند تھے۔ جی نہیں! ایسا ہرگز نہیں ہے۔ برسہا برس سے اجودھیا کے الجھے ہوئے مسئلے میں جب ایک نہایت ناگوار موڑ آیا، مسلمانوں میں بے چینی پھیلی تو مسلم پرسنل لا بورڈ نے کسی مصلحت سے اس سوال پر سرگرم اقدام کی راہ نہیں سجھائی، اس سوال کو مسلم مجلس نے اٹھایا اور

جناب مولانا سے اعانت اور رہنمائی کی استدعا کی تو جناب نے لبیک کہی۔ اگر چہ جناب کے نہایت مخلص حضرات نے متوجہ بھی کیا کہ مسلم مجلس کی تحریک سے مسلم پرسنل لا بورڈ کی قیادت بے تعلق ہے، تو ارشاد فرمایا کہ ''جی ہاں! یہ تو ہے مگر مجھے اپنا فریضہ بہر حال انجام دینا ہے۔'' جب اس سلسلے میں کچھ عملی اقدامات ہوئے تو ان کے فرقے نے خاص طور سے لکھنؤ میں اس اقدام میں شانہ بہ شانہ شریک ہو کر عملی حصہ لیا اور اسے متفقہ و متحدہ مسلم احتجاج بنانے کا تاریخی کردار پورا کیا۔

اتحاد و اتفاق کے خالص جذبے اور اس کے لیے سرگرم مجاہدانہ مساعی کے باوصف جناب نے اپنے فرقے کے مسائل خصوصاً لکھنؤ کے معطل جلوس ہائے عزا اور دیگر مذہبی تقریبات کا نظر انداز ہونا گوارا نہیں کیا سُست بھی نہیں ہونے دیا۔ اور ہمیشہ اس کوشش میں رہے کہ یہ سلسلہ امن وسکون کے ساتھ شروع ہو سکے۔ جناب کے امن پرور اتحاد افزا طریقۂ کار کو کچھ جانے کچھ انجانے تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور اس کے اظہار کے لیے دینی اجتماعات و مذہبی تقریبات تک کا استعمال کیا گیا مگر معلوم نہیں کہ قسام ازل نے ضبط و تحمل، وقار و توازن کی دولت کس فراوانی سے عطا فرمائی تھی کہ انھوں نے جواب کے لئے منبر کا استعمال کیا، نجی صحبتوں تک میں اس سوال کو نہیں چھیڑا۔ کبھی کسی نے یہ ذکر شروع بھی کیا تو بڑے مہذب' بڑے لطیف اور بڑے دلآویز طریقے سے بات ختم کر دی۔ یہ جو کچھ عرض کر رہا ہوں، سنی سنائی نہیں چشم دید حقیقت ہے۔

نہیں عرض کر سکتا کہ یہ محض سوء اتفاق ہے یا ایرانی انقلاب کی کامیابی اور خلیجی جنگ میں ایران کے غلبے کے احکامات کے خدشے اور ان کا ردّ عمل کہ مسلمانوں کے اعتقادی اختلافات کو ہوا دینے والی تحریریں بڑے زور و شور سے منظر عام پر آنے لگیں۔ امن و اتحاد کے اس مخلص نقیب نے ایسے موقعوں پر بھی اپنی انفرادیت برقرار رکھی اور اپنے لخت جگر سے تاکید کر کے اس کا تدارک کرایا۔ جناب چاہتے تو اسی لب و لہجہ اور مال مسالے کی چیزیں فراہم ہو جاتی مگر مرحوم کا مدعا بس اپنے مسلک کے نقطۂ نظر کو پیش کر دینا تھا۔ آتش اشتعال کو ایندھن مہیّا کرنا نہیں۔

یہ طمانیت اور امتنان کا مقام ہے کہ ملک و ملت نے ان کے اتحاد پرور افکار کی قدر دانی سوگواری کی شکل میں کی۔ ان کی یاد اور خدمات کو ایسا بے مثل بے مثال خراج عقیدت نذر کیا گیا جسے کرامات نہ سہی عجائبات تاریخ میں شمار کیا ہی جائے گا۔

لیکن سوال یہ اٹھتا ہے کہ محض اس اشک و آہ سے مرحوم کے مقاصد کا حصول اور آپ کے خدمات کا حق ادا ہو جائے گا؟ یا اس احساس زیاں کو سامنے رکھ کے مولانا کے طرز فکر کو مستقبل میں بھی موثر اور برسر عمل رکھنے کے لیے کچھ کرنے دھرنے کی بھی ضرورت ہے؟ اگر آپ اس سوال کا مثبت جواب عطا فرماتے ہیں تو پھر دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ کام کون اور کیسے کرے؟ خدانخواستہ اگر کوئی نہیں کرتا ہے تو پھر آپ اور ہم کیا کریں گے؟ خدا کرے یہ خلا بہ احسن وجوہ پُر ہو اور یہ مشعل محبت ہمیشہ فروزاں رہے تا کہ ملک میں امن و شانتی کی فضا قائم کرنے اور ہندوستان کی تعمیر نو میں مسلمان اپنا یوگ دان دے سکیں۔ آج کی بات نہیں مفکر اسلام اقبالؔ مرحوم نے بہت پہلے آگاہ کیا تھا۔

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والوں!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

دیکھنا ہے کہ جو طبقہ رحمت مآب مولانا کلب عابد صاحب قبلہ کی سوگواری کا دعوے دار ہے ان کے نام اور پیام کو پیکر عمل دینے میں کتنی جاں فشانی کا ثبوت دیتا ہے۔ ایسی جاں فشانی جو ''یقیں محکم' عمل پیہم محبت فاتح عالم'' کی جیتی جاگتی مثال بن جائے۔ ✿✿✿